اللہ کے ولی

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

صد باعث تعجب ہے وہ خود ساختہ معیار، جو لوگوں نے کسی کو ولایت اور بزرگی جانچنے کے لئے وضع کر رکھا ہے۔ جہلا کا خیال یہ ہے کہ اولیاء اللہ وہ ہوتے ہیں جو ہوا میں اڑ سکتے ہیں، پانی پر چل سکتے ہیں اور بھڑکتے شعلوں میں بلاخوف وخطر کود سکتے ہیں، وہ ہفتوں بلکہ مہینوں کھائے پیے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں، ان کے اشارے پر بغیر موسم کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں اور موسم اپنے تیور بدل لیتے ہیں۔ ان کے دم سے بانجھ کی کوکھ ہری ہو جاتی ہے، وہ چشم زدن میں ہزاروں کوس کا سفر طے کر لیتے ہیں۔ فجر کراچی میں پڑھتے ہیں تو ظہر اور عصر مکہ اور مدینہ میں ادا کرتے ہیں۔ ایسے غالی بھی ہیں، جن کی سوچ یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے مہینوں غسل نہیں کرتے، ڈھنگ کا لباس نہیں پہنتے، چیتھڑوں پر گزارہ کرتے ہیں، بیوی بچوں اور عزیز واقارب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

ایک صاحب نظر جو سالہا سال تک قریہ قریہ اور شہر شہر چل پھر کر مرحوم مشائخ کے حالات ان کے مریدین اور خلفا سے جمع کرتے رہے، انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا: ''میں بزرگوں کے متعلقین سے ان کے واقعات سن کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کی ساری زندگی فطرت سے جنگ کرتے گزر گئی۔'' ظاہر ہے کہ مہینوں غسل سے احتراز، تعفن زدہ لباس، گندگی میں اٹی ہوئی زلفیں، معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار، اہل وعیال سے وحشت، وسعت اور قدرت کے باوجود گھاس پات پر گزارہ، بے خوابی اور مسلسل بے خوابی، ایک ٹانگ پر قیام، زنجیروں میں جکڑا ہوا جسم، آبادی کے بجائے ویرانے میں بسیرا...... یہ سب کچھ فطرت کے ان پیروکاروں پر جو خلاف فطرت زندگی کو ولایت کا اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں۔

خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ، اللہ کے ولی تھے۔ ایمان اور تقویٰ کے نور سے اپنے ظاہر اور باطن کو منور کئے ہوئے ولی! جن کی زندگی فطرت سے جنگ کرتے گزر جاتی ہے بلکہ وہ ولی، جو زندگی بھر نفس کے ناجائز تقاضوں، شیطانی قوتوں اور گمراہ فرقوں سے برسرپیکار رہتے ہیں، نہ اندر کے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہیں، نہ

باہر کے دشمن کے سامنے، وہ ایسے مجاہد تھے، جو زندگی بھر لڑتے رہے مگر ہاتھ میں تلوار نہیں تھی۔ ایسے مبلغ تھے جو ''خموشی گفتگو ہے، اور بے زبانی ہے، زبان میری'' کا مصداق تھے۔ وہ کئی جماعتوں کے قائد تھے، مگر ان کی مقبولیت اور محبوبیت کا عنوان دیا جائے یا ان کے اخلاق حسنہ کا کرشمہ کہا جائے کہ ایسی جماعتیں بھی ان کی قیادت اور ان کی طرف انتساب میں فخر محسوس کرتی تھیں جن کے قائد باہم شدید اختلاف رکھتے تھے۔ ان کی حیثیت مجمع الانصار کی سی تھی، کئی نہریں تھیں جو اس دریا میں آکر گرتی تھیں۔

آپ کے کمالات وہبی بھی تھے اور کسبی بھی۔ کسب میں ذاتی مجاہدوں کے علاوہ اعلیٰ حضرت مولانا ابو سعد احمد خاں قدس سرہٗ کی توجہات اور تربیت کا بڑا دخل تھا۔ انہوں نے آپ کے والد اور اپنے چچازاد بھائی خواجہ عمر سے آپ کو خود مانگ کر لیا تھا۔ ابتدائی کتابیں آپ نے خانقاہ سراجیہ ہی میں پڑھیں، پھر آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہی، مولانا بدر عالم، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد ادریس سکروڈھوی اور مولانا عبدالعزیز کیمبل پوری رحمہم اللہ سے مشکوٰۃ شریف، جلالین، ہدایہ، مقامات حریری اور دیگر کتب پڑھیں۔ حدیث وتفسیر کی تکمیل کے لئے 1362ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نظر بند تھے، لہٰذا مولانا اعزاز علی صاحب اور دیگر اساتذہ کرام سے دورۂ حدیث پڑھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر آئے تو تزکیۂ باطن کے مجاہدات اور سلوک وتصوف کی کتابوں کے درس ومطالعہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ذاتی استعداد، طبعی رجحان، شیخ کی خصوصی توجہ اور خانقاہ کے نورانی ماحول کی وجہ سے آپ کے پوشیدہ کمالات بہت جلد نکھر کر سامنے آگئے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد خان کے انتقال کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے آپ کی تربیت پر خصوصی توجہ دی، جس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب وہ مالٹا میں اسیر تھے تو انہوں نے معارف قرآن حکیم پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا، مگر چند صفحات لکھنے کے بعد اسے ترک کردیا۔ استفسار پر فرمایا: ''میں نے کتاب کے بجائے ایک آدمی (مولانا حسن احمد مدنی رحمہ اللہ) پر محنت شروع کردی ہے، تاکہ خلق خدا کی ہدایت کے لئے ایک چلتا پھرتا نسخہ تیار ہوجائے۔'' حضرت اقدس نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: میں بھی ایک آدمی تیار کررہا ہوں۔ بعدازاں قرائن سے پتا چلا کہ وہ آدمی حضرت خان محمد صاحبؒ تھے۔

یقیناً کتاب لکھنے سے کہیں زیادہ مشکل اور صبر آزما کام انسان سازی ہے۔ کتابوں سے وہ انقلاب برپا نہیں ہوتے جو تزکیہ اور تربیت کے مراحل سے گزرے ہوئے انسانوں سے برپا ہوتا ہے۔ حضرت انبیائے کرام علیہم السلام نے کتابیں نہیں لکھیں، انسان تیار کئے ہیں، جن میں سے ایک، ایک، کئی، کئی کتب خانوں پر بھاری تھا۔ انبیاء کی آمد کا مقصد نہ تو عمارت سازی تھا نہ صنعت وحرفت کا قیام، نہ زراعت نہ تجارت، وہ تو انسان سازی کے لئے دنیا میں آتے رہے۔

یوں تو یہ کام ہزاروں سال سے ہو رہا ہے، مگر اس امت میں اس کا آغاز سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ تب سے آج تک چراغ سے چراغ جل رہے ہیں۔ آج کے دور کا بڑا المیہ یہ ہے کہ لوہے، پانی، پتھر، ہوا اور دیگر اشیاء پر تو خوب محنت ہو رہی ہے، مگر انسان سازی کے کارخانوں میں بالعموم دھول اڑ رہی ہے۔ کہیں سکوت مرگ سا سناٹا ہے اور کہیں دکانیں کھل چکی ہیں۔ قبروں کی بولیاں لگ رہی ہیں اور خانقاہوں میں مجاور اور دکان دار بیٹھے ہیں۔

خانقاہ سراجیہ اڑتی ہوئی دھول اور زوال پذیر حالات میں روشنی کا ایک مینار ہے۔ حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ نے اپنے مشائخ حاجی دوست محمد قندھاری، خواجہ محمد عثمان دامانی، خواجہ سراج الدین، مولانا ابوسعد احمد خاں اور نقشبندی سلسلے کی روایات کو زندہ رکھنے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ ان کے زمانہ خلافت میں خانقاہ سراجیہ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ باوجود یہ کہ وہ ہر جگہ پچھلی صف میں بیٹھنے اور اپنے آپ کو گمنامی میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن دلوں میں ان کی محبت ایسی ڈال دی گئی تھی کہ جہاں وہ ہوتے مسند صدارت پر انہی کو بٹھایا جاتا۔ محدث العصر بنوری رحمہ اللہ استاذ ہونے کے باوجود ان کا احترام فرماتے تھے۔ بعض مواقع پر حضرت نے ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کی بھی کوشش کی۔ اسے ہم حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تواضع اور فنائیت بھی کہہ سکتے ہیں اور خواجہ صاحب کی محبوبیت اور مقبولیت بھی۔

آج جبکہ باطل کے علمبردار متحد ہیں اور حق کے نام لیوا انتشار در انتشار کا شکار ہیں، خواجہ صاحبؒ کا وجود صد غنیمت تھا کہ کم از کم ایک شخصیت تو ایسی تھی جس کے اخلاص، غیر جانبداری، تدین اور تقویٰ پر سب کا اتفاق تھا۔ حضرت کے اٹھ جانے سے ان کی صلبی اولاد ہی یتیم نہیں ہوئی، بلکہ ہزاروں طالبان اصلاح، سیکڑوں دینی ادارے اور دسیوں دینی جماعتیں بھی یتیم ہوگئی ہیں۔ کیسا شخص تھا جو ایک شہر کو نہیں، پورے ملک کو ویران کر گیا۔ جس کی جدائی کے غم میں جنگ ہی نہیں، آبادیاں بھی اداس ہیں!!

اللھم اغفرہ وارحمہ وانت خیر الرحمین

مطالعہ کی برکت سے استعداد و فہم پیدا ہوتا ہے

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے سبق سراجی کے بعد مطالعہ کی بابت فرمایا کہ مطالعہ کی برکت سے استعداد اور فہم پیدا ہوتا ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کپڑا رنگنے کے لیے اول اس کو دھو لیا جاتا ہے پھر رنگ کے مٹکے میں ڈالا جاتا ہے، اور اگر پہلے دھویا نہ جائے تو کپڑے پر داغ پڑ جاتے ہیں، اسی طرح اگر مطالعہ نہ دیکھا جائے تو مضمون اچھی طرح کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور اس سے معلم کو تکلیف ہوتی ہے، یہ بھی ایذاء میں داخل ہے اور اس سے بھی احتراز واجب ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۸۰/۱۳)